نظریہ ضرورت کی شرعی حیثیت

تحریر: حافظ محمد اسلم، اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ کالج بورے والا

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات اور ہمہ جہتی قوانین کا مجموعہ ہے۔ان قوانین کے پہلے مصدر یعنی قرآن مجید میں جب اللہ تعالی نے اپنے دین کی تکمیل اور اتمام نعمت کا ذکر کیا(۱) تو ساتھ ہی انسان کی اضطراری کیفیت اور اس کا استثنائی حکم بیان کر دیا۔جو اس بات کا اشارہ تھا کہ شریعت یعنی احکام و قوانین کی فہرست میں نظریہ ضرورت بھی ایک اصول ہے۔یعنی دین چونکہ سراسر عدل واحسان اور بندوں کے مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔اس لیے وہ ہر ہر قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "بے شک دین آسان ہے جو کوئی اس میں سختی کرے گا وہ اس سے مغلوب ہو جائے گا۔(۲) اس طرح آپ ﷺ نے بجا سختی اور شدت پسندی سے منع کر کے دین کی عطا کردہ ان رخصتوں سے استفادہ کرنے کی تلقین کی، جن کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ ہے اور مختلف الفاظ کے ساتھ ہے۔

روئے ارض پر ایک طرف معاشرے کا فطری اور غیر محدود ارتقا جاری ہے۔دوسری طرف انسانی زندگی نشیب و فراز کے تسلسل سے لبریز ہے جس میں کہیں شوکت وسطوت کے مظاہر ہیں اور کہیں مجبوری و بے کسی کے مناظر۔جبکہ شرعی احکام محدود ہیں۔لہذا شریعت نے اس غیر محدود معاشرتی ارتقا اور ہنگامی نوعیت کی ضروریات پوری کرنے کیلئے کچھ بنیادی قواعد و ضوابط عطا کئے۔جن کے ذریعے نئے پیدا شدہ مسائل کو شریعت کے بنیادی ڈھانچے میں رہ کر حل کیا جائے۔انہی اصولوں میں سے ایک اصول نظریہ ضرورت ہے۔جس کی تعریف فقہاء نے ان الفاظ میں کی:

"الضرورات تبیح المحظورات"(۳) ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز قرار دے دیتی ہے)

لفظ ضرورت اپنی اس شکل کے ساتھ قرآن میں مذکور نہیں۔البتہ اس کے بنیادی حروف یعنی مادہ اور مفہوم دونوں موجود ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے:

"الا ما اضطررتم الیہ"(۴) امام رازیؒ نے اس کا ترجمہ کیا "جب تمہیں ضرورت بلائے"(۵)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"فمن اضطر غیر باغ ولا عاد"(۶) ابن نجیم نے اس کے متعلق لکھا۔ نظریہ ضرورت اسی آیت سے مستنبط ہے۔(۷) لغوی تحقیق کے مطابق :

"الضرورة شدة الحال' رجل ذو ضرورة ای ذو حاجة۔ اضطر الی الشئی ای الجی الیه الضرورة اسم المصدر الاضطرار' فجعلت التاء طاءً ا"

ضرورت کا معنی ہے حالت کی سختی۔ رجل ذو ضرورۃ کا معنی ہے حاجت مند آدمی۔ اضطر الی الشی کا معنی ہے وہ کسی چیز کیلئے مجبور ہوا۔ ضرورت اسم ہے اور اضطرار اس کا مصدر ہے۔ پھر تا کو طا سے بدل دیا کیونکہ ضاد کے بعد تاء کا آنا مناسب نہیں (یاد رہے کہ لفظ ضروری اور ضروریہ کا مفہوم اس سے الگ ہے)

گویا ضرورت' حاجت' اضطرار اور الجاء کا ایک ہی مفہوم ہے۔ مگر ادائیگی کیلئے یہ مختلف تعبیرات ہیں۔ پھر اس مفہوم کو فقہاء نے ایک مختصر اور جامع انداز یعنی نظریہ ضرورت کے الفاظ میں ادا کیا اور باقاعدہ فقہی اصول کی حیثیت سے رائج کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا تو اس کیلئے شریعت کی شکل میں حلت و حرمت کی کچھ پابندیاں عائد کیں تاکہ ان پابندیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انسان کی محکومیت کا اظہار ہو۔ حلت و حرمت کی ان پابندیوں کو اگرچہ زندگی کے عمومی حالات کے ساتھ منسلک کیا۔ مگر ناگہانی اور ہنگامی حالات کا بھی لحاظ رکھا۔ یعنی ان مواقع پر پابندیوں کا خاتمہ کر دیا۔ پھر حرمت کی ان پابندیوں کا تعلق اگر عقائد کے ساتھ تھا' تو ایسے موقعہ پر ممنوعہ الفاظ ادا کرنے کی رخصت دے دی۔ تاہم اس عمل کو لازمی نہیں ٹھہرایا۔ اگر ان پابندیوں کا تعلق دیگر احکام و امور سے تھا تو پھر صرف رخصت ہی نہیں' بلکہ اس ممنوعہ کام کو کر گزرنا لازمی قرار دیا (تفصیل آگے) نیز اگر وہ شخص محض مجنوں' مجذوب یا نابالغ ہے تو اسے غیر مکلف قرار دیکر شریعت سے آزاد کر دیا۔

نظریہ ضرورت کی تشریح امام رازی نے اس طرح کی ہے :

اللہ تعالیٰ نے مردار' خون' خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر مذبوح جانور کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تاہم ضرورت کے وقت اس کا استثنار کھا ہے۔ اس ضرورت کے دو اسباب ہیں۔ پہلا یہ کہ سخت بھوک ہو اور کھانے کیلئے کوئی ایسی حلال چیز دستیاب نہ ہو' جس سے وہ اپنی جان بچا سکے تو اس وقت وہ شخص مضطر کہلائے گا اور حرام کھانا اس کیلئے جائز ہو جائے گا۔ دوسرا سبب یہ کہ کوئی

اور شخص اسے حرام کھانے پر مجبور کرے۔ تو ایسی صورت میں بھی اس حرام چیز کا کھانا اس کیلئے جائز ہو جائے گا۔(۹)

اس عبارت میں امام رازیؒ نے نظریہ ضرورت کے دو اسباب ذکر کیے :اکراہ اور اضطرار۔ مگر ان میں دو مزید اسباب شامل کرنے کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ضرورت ان دو اسباب تک ہی محدود نہیں۔ اسلام تو سادہ اور سہل دین ہے۔ قرآن مجید نے خود مختلف مقامات پر اس آسانی کا ذکر کیا ہے' مثلاً :

"ولا جناح علیکم فیما اخطاتم به ولکن ما تعمدت قلوبکم به"(۱۰)

(جو کام تم سے خطاءً سرزد ہوئے۔ ان پر کوئی گرفت نہیں لیکن جو کام قصداً کیے ان پر گرفت ہے)

اسی طرح سورہ بقرہ کے آخر میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی :

"ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا"

(اے ہمارے رب! بھول اور خطا کی صورت میں ہمارا مؤاخذہ نہ کر)

پھر یہی مفہوم حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

"رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه"

(غلطی' بھول چوک اور اکراہ میری امت سے اٹھا دیئے گئے ہیں)

اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ ضرورت کے چار اسباب ہیں۔ اکراہ' اضطرار' خطاء اور بھول چوک (مزید تفصیل ابو بکر جصاص کے حوالے سے آگے رہی ہے)

دوسرے لفظوں میں ہم اس طرح کہہ سکتے کہ حالات کی سنگینی اور جبر' اگر دوسرے شخص کا پیدا کردہ ہو تو اسے اکراہ کہتے ہیں۔ اگر یہ جبر دوسرے شخص کی طرف سے نہیں بلکہ قدرتی واقعہ کا نتیجہ ہے تو اسے اضطرار کہتے ہیں۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہیں بلکہ اس کی وجہ خود اس کی اپنی ذات ہی ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ کوتاہی یا نقص اس کے فہم و شعور کی وجہ سے ہے کہ وہ معاملہ کا صحیح ادراک نہ کر سکا تو وہ خطا ہے۔ اگر وہ بات اس کے فہم و شعور سے نکل گئی تو وہ بھول چوک ہے۔

بہر حال ان چاروں صورتوں میں حلت و حرمت کے شرعی احکام میں تخفیف پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے کبھی تو مکمل چھوٹ حاصل ہو جاتی ہے اور کبھی مکمل چھوٹ کی بجائے کفارہ اور جرمانہ کے ذریعے اس نقص کی تلافی کر دی جاتی ہے۔

نظریہ ضرورت کیلئے مستعمل الفاظ

نظریہ ضرورت ایک وسیع نظریہ ہے۔اس بناء پر اس کے مفہوم کی ادائیگی اور اظہار کیلئے قرآن، حدیث اور فقہی کتب میں مختلف الفاظ وارد ہوئے۔ مثلاً :اکراہ، تقیہ، اضطرار، حاجت، لابدمنہ، دفع حرج، دفع شر وغیرہ۔اس سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس نظریے کی تشریح ہو جائے اور مختلف الفاظ کا استعمال بھی سامنے آجائے۔

۱۔اکراہ

یہ لفظ قرآن میں مذکور ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"(۱۱)

(مگر جو شخص مجبور کر دیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا)

آغاز اسلام یعنی مکہ کی ابتدائی زندگی میں کفار نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو پکڑا اور ان کی سخت تعذیب کی۔ پھر انہیں مجبور کیا کہ وہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار اور کفر کریں۔ مجبوراً انہوں نے ایسا کر لیا۔ پھر وہ غمگین و پریشان، حضور ﷺ کے پاس آئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے دل کی کیفیت پوچھی۔ تو آپؓ نے جواب دیا۔ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ لوگ آئندہ اس قسم کا معاملہ کریں تو تم بھی اسی طرح کر لینا۔(۱۲)

اس آیت کی تشریح میں ابو بکر جصاص لکھتے ہیں :ایسی حالت میں کلمہ کفر کہنا اس کیلئے جائز ہو گیا۔ تاہم وہ شخص تعریض(۱۳) کرے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے شرعی حکم میں مکمل تخفیف ہو گئی۔ حرام چیز مباح ہو گئی۔ تاہم چونکہ یہ عقائد کا معاملہ ہے۔اس لئے یہ تخفیف بطور رخصت ہے نہ کہ بطور لزوم۔بلکہ رخصت کی بجائے عزیمت اختیار کرنا یعنی کلمہ کفر کہنے کی بجائے قتل ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔(مزید تفصیل آگے)

۲۔ تقیہ

یہ لفظ بھی قرآنی آیت سے ماخوذ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"الا ان تتقوا منھم تقاۃ"(۱۴) (مگر یہ کہ تم ان سے بچو)

اس لفظ تقیہ کا مفہوم و مطلب وہی ہے جو لفظ اکراہ کا ہے۔اس کی مزید تفصیل جصاص کے الفاظ میں یہ ہے :

تقیہ نہ کرنے میں دین کی عزت اور مشرکوں کیلئے غضب ہے۔ چنانچہ ایسا شخص اس مجاہد کے درجے میں ہوگا جس نے دشمنوں سے جنگ کی اور شہید ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے :

"خطاء بھول اور اکراہ میری امت سے اٹھا دیئے گئے" (۱۵)

یعنی خدا تعالیٰ ان تینوں صورتوں میں مواخذہ نہیں کرے گا۔ جصاص نے اس تشریح میں تقیہ اور اکراہ کو یکساں قرار دیا ہے۔

۳۔ اضطرار

اس لفظ کی تشریح امام رازیؒ کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے۔ مالکی مذہب کے ترجمان قرطبیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ضرورت 'حرمت کو ختم کر دیتی ہے۔ تو پھر اس چیز کی اباحت واپس آجاتی ہے۔ (۱۶) حنفی مذہب کے ترجمان اس لفظ پر نسبتاً تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ مثلاً :

وہ تمہارے لئے جائز ہے اور ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ نہ کھانے کی صورت میں جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خوف ہو۔ اس حکم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسی جگہ مقیم ہو جہاں مردار کے علاوہ کوئی چیز دستیاب نہ ہو۔ دوسری صورت یہ کہ مردار کے علاوہ کھانا موجود ہے لیکن دوسرا شخص اسے مردار خوری پر اس حد تک مجبور کرے کہ اسے اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو" (۱۷) اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ ضرورت میں شوافع' مالکیہ اور احناف کے مابین بڑی حد تک یکسانیت ہے۔

۴۔ ضرورت

مختلف مقامات پر فقہاء نے نظریہ ضرورت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا۔ مثلاً پانی کی ایک قسم مستعمل پانی ہے۔ یعنی ایسا پانی جو طہارت (وضو یا غسل) حاصل کرنے کیلئے استعمال ہو چکا ہو۔ یہ پانی طاہر تو ہوتا ہے مگر مطہر نہیں ہوتا۔ اب بحث یہ ہے کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم کب لگایا جائے۔ جسم کے ساتھ لگتے ہی فوراً مستعمل ہو جائے گا یا جسم سے جدا ہونے کے بعد مستعمل کا حکم نافذ ہوگا۔ اس سلسلے میں صاحب ھدایہ لکھتے ہیں :

"الصحیح انه کمازال عن العضوصارمستعملا لان سقوط حکم الاستعمال قبل الانفصال للضرورة بعده" (۱۸)

صحیح یہ ہے کہ جونہی پانی جسم سے الگ ہوا وہ مستعمل ہو گیا۔ کیونکہ جسم سے الگ ہونے

سے پہلے مستعمل کا حکم نہ لگانا ضرورت کی وجہ سے تھا اور جدا ہونے کے بعد ضرورت نہ رہی" اس عبارت میں مصنف نے نظریہ ضرورت کو لفظ ضرورت سے واضح کیا۔

۵۔ حاجت

یہ لفظ اصولِ فقہ اور فقہ دونوں مقامات پر مستعمل اور لفظ ضرورت کا متبادل ہے۔ اصولِ فقہ سے مثال یہ کلیہ ہے۔ "الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت او خاصة" (۱۹) حاجت ضرورت کے درجے میں ہوتی ہے۔ چاہے وہ عام ہو یا خاص" اس کلیہ میں حاجت اور ضرورت کو یکساں مقام دے دیا گیا۔

فقہی کتب سے اس لفظ کی مثال یہ ہے کہ "جب اسلامی لشکر دار الحرب میں داخل ہو تو غلہ وغیرہ اس علاقے سے حاصل کرے۔ کیونکہ حکم ضرورت کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے۔ اور وہ ضرورت یہ ہے کہ یہ لوگ دار الحرب میں ہیں۔ لمبی مدت کیلئے سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے (۲۰) اس عبارت میں مصنف نے "لان الحكم يدار على الحاجة" کا جملہ استعمال کیا۔ جو خصوصیت سے توجہ طلب ہے۔ ایک تو اس میں حاجت کا لفظ ضرورت کا ہم معنی اور مترادف ہے دوسرے یہ جملہ بذات خود ایک کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے ضرورت و حاجت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۶۔ عدم حرج

یہ اصطلاح قرآنی الفاظ سے ماخوذ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وما جعل عليكم في الدين من حرج" (۲۱)

(دین کے بارے میں اس نے تم پر تنگی نہیں کی)

بعد ازاں فقہاء نے بھی مختلف مقامات پر یہ لفظ اختیار کیا۔ مثلاً اگر جسم کے کسی زخمی یا چوٹ والے حصے پر پٹی بندھی ہوئی ہو تو وضو کرتے وقت اس حصے کو دھونے کی بجائے صرف مسح کرنا کافی ہوگا۔ اس کے جواز کیلئے ایک دلیل تو حدیث ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ :

"ولان الحرج فيه فوق الحرج في نزع الخف فكان اولى بشرع المسح" (۲۲)

(موزے اتارنے کی نسبت اس پٹی کے اتارنے میں زیادہ تنگی اور مشقت ہے۔ لہذا اس پر مسح کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یعنی دفع حرج کیلئے پٹی پر مسح کی اجازت ہے اور یہی چیز ضرورت ہے۔

نظریہ ضرورت کا ثبوت

نظریہ ضرورت نہ صرف قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہے بلکہ قانون سے متعلق دیگر شعبوں یعنی مقننہ عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام اداروں میں اس کا نفاذ موجود ہے۔ فقہ کے اولین مأخذ یعنی قرآن سے نظریہ ضرورت کے ثبوت کے تو وہی دلائل ہیں جو پہلے مذکور ہو چکے۔ اس لئے ان کا اعادہ غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ فقہ کا دوسرا مأخذ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ جس میں متعدد مقامات پر یہ لفظ نظر آتا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الذبائح کے آخر میں ایک باب کا عنوان یہ باندھا "باب اکل المضطر" جبکہ امام مالکؒ نے مکمل صراحت کے ساتھ یہ لفظ استعمال کیا اور یہ عنوان قائم کیا: باب مایجوزمن الزکاۃعلی حال الضرورۃ" پھر اس کے ضمن میں جزئیات پیش کیں کہ ایک انصاری احد کے مقام پر اونٹنی چرا رہا تھا وہ مرنے لگی تو اس نے دھاری دار لکڑی سے وہ ذبح کر دی۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حضرت کعب کی باندی بکریاں چرا رہی تھی۔ ایک بکری مرنے لگی تو اس نے پتھر سے ذبح کر دی۔ حضور ﷺ نے اس کے متعلق بھی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اسے کھالو" (۲۳)

اس طرح دوسری اور تیسری صدی میں فن حدیث کے دونوں اماموں نے اپنی گراں قدر تصانیف میں یہ عنوانات قائم کر کے مسلم امہ کو نظریہ ضرورت سے متعارف کرادیا۔ تیسری مثال۔ حضرت ھشام اپنے والد عروہ سے نقل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اذااضطررت الی بدنتک فارکبھا رکوباًغیر قادح قال واذااضطررت الی لبنھافاشرب بعدما یروی فصیلتھا" (۲۴) یعنی حج کے موقعہ پر اگر قربانی کا جانور ساتھ ہو تو اس جانور پر سواری کرنا جائز نہیں ہوتا۔ لیکن اگر حج کرنے والا شخص تھکاوٹ یا کمزوری کی وجہ سے مجبور ہو جائے تو ضرورت کی وجہ سے وہ اس جانور پر سوار ہو جائے۔ اسی طرح بھوک یا پیاس کی وجہ سے اگر اس جانور کا دودھ پینے کی ضرورت لاحق ہو جائے تو بچھڑے کو سیر کرنے کے بعد وہ اس کا دودھ پی سکتا ہے۔

اس حدیث میں بھی وہی لفظ اضطرار دو مرتبہ آیا ہے۔ جو نظریہ ضرورت کا بنیادی مأخذ و مصدر ہے۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے یعنی صحابی پر ختم ہو جاتی ہے مگر حکم کے اعتبار سے مرفوع کی طرح ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کے بیان کردہ اس قسم کے مسائل دراصل حضور ﷺ سے ہی منقول ہوتے ہیں۔

قیاس اور نظریہ ضرورت

قیاس فقہ حنفی کا چوتھا اور اہم ماخذ ہے۔ فقہی کتب میں متعدد ایسی جزئیات ہیں جہاں نظریہ ضرورت کو قیاس کی بنیاد یعنی علت قرار دیا گیا اور پھر فرع کی طرف اس کا حکم تعدیہ کیا گیا۔ مثلاً "ولا یرعی حشیش ولا یقطع الا الاذخر خروقال ابویوسف لا بأس بالرعی فیه لان فیه ضرورة فان منع الدواب عنه متعذد"(۲۵)

مسئلہ یہ ہے کہ حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کو کاٹنا منع ہے۔ مگر اذخر کاٹنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس کا ذکر کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی حضرت عباسؓ کے کہنے پر (عمومی ضرورت کی وجہ سے) اذخر کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ مندرجہ بالا مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ نے اذخر کو بنیاد بنا کر حشیش یعنی گھاس کاٹنے کی اجازت دے دی کیونکہ جانوروں کو اس سے روکنا مشکل ہے۔ اس طرح نظریہ ضرورت کی وجہ سے اذخر کا حکم آگے متعدی کر دیا۔

مثال : ۲ فقہی اصول کے مطابق جواز قیاس کیلئے ضروری ہے کہ علت معقول ہو۔ ورنہ فرع کی طرف اس حکم کا تعدیہ نہیں ہو سکتا۔ مگر بعض اوقات نظریہ ضرورت کی وجہ سے علت کے غیر معقول ہونے کے باوجود حکم کو متعدی کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ علی بن ابی بکر مرغینانی لکھتے ہیں :

"الاقتصار علی الاعضاء الاربعة غیر معقول۔ لکنه یتعدی ضرورة تعدی"(۲۶)

(چاروں اعضاء پر اکتفاء کرنا غیر معقول حکم ہے۔ لیکن تعدیہ کی ضرورت کی وجہ سے اسے متعدی کیا جائے گا۔ یعنی قرآنی بیان کے مطابق حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قضائے حاجت سے فراغت حاصل کر کے آئے تو وہ پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے وضوء یا تیمم کرے۔ لیکن اس مقصد کیلئے صرف چار اعضاء پر اکتفاء کرنا یعنی صرف انہیں دھونا اور ناپاکی خارج ہونے والی جگہ کے دھونے کا حکم نہ دینا غیر معقول بات ہے۔ تاہم دیگر صورتوں یعنی تکسیر اور قیئی میں بھی اس شرعی حکم کا تعدیہ ہوگا اور ان چار اعضاء کے دھونے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

استحسان اور نظریہ ضرورت

قیاس کے بعد حنفی فقہ کا ایک اور مأخذ استحسان ہے۔ جس میں دلیل جلی کی بجائے دلیل خفی کو بنیاد بنا کر اس پر حکم لگایا جاتا ہے۔ استحسان اور نظریہ ضرورت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ اس میں نظریہ ضرورت کو دلیل خفی کی جگہ رکھ کر اس پر حکم کا اجراء کیا جاتا ہے۔ مثلاً

کتاب الشرکہ کی ایک قسم شرکت مفارضہ ہے۔ جس میں دو یا زیادہ اشخاص مل کر کاروبار شروع کرتے ہیں۔ اس میں سرمایہ اور نفع برابر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں صاحب ھدایہ لکھتے ہیں :

"کمپنی کے دونوں شریکوں میں سے جو کوئی بھی خریداری کرے گا۔ وہ خریداری دونوں میں مشترک ہوگی۔ لیکن اہل خانہ کے کپڑے اور خوراک مشترکہ نہیں ہوگی۔ دلیل استحسان کے طور پر نظریہ ضرورت کی وجہ سے یہ حکم لگایا گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی خریداری تو ہمیشہ ہوتی رہے گی۔ ایسی خریداری کو اس کے ساتھی پر لازم کر سکتے ہیں نہ ہی اس کے مال کی طرف پلٹ سکتے ہیں۔ اس قسم کی خریداری ضروری بھی ہے یہ خریداری اسی کیلئے مخصوص رہے گی۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا تھا کہ یہ خریداری بھی مشترکہ ہوتی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ کا تقاضا ہے کہ ہر خریداری دونوں میں مشترک ہو" (۲۷)

اس مثال سے نظریہ ضرورت کی اہمیت اس طرح واضح ہوئی کہ اس کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر کے استحسان کو اختیار کیا گیا۔ فقہ کے دیگر مأخذ یعنی مصالح اور استصلاح کے ساتھ بھی نظریہ ضرورت کا اسی قسم کا تعلق ہے۔ کیونکہ یہ اصطلاحیں باہم ملتی جلتی ہیں۔ جہاں تک فقہ شافعی کا معاملہ ہے تو وہ چونکہ استحسان کو سرے سے ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اس لئے براہ راست نظریہ ضرورت کو اپنا لیتی ہے۔

اس بحث کے بعد اب ہم نظریہ ضرورت کے دوسرے رخ یعنی اس کے تائیدی انداز کے متعلق کچھ بحث کرتے ہیں۔

نظریہ اباحت اور نظریہ ضرورت

فقہاء کے ہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یا حرمت۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ تمام اشیاء حرام ہیں مگر صرف وہ اشیاء حلال ہیں، جنہیں شریعت نے جائز رکھا۔ جبکہ اکثر فقہاء کا نظریہ ہے کہ تمام اشیاء مباح ہیں۔ مگر صرف وہ چیزیں حرام ہیں جنہیں شریعت نے ناجائز قرار دیا۔ نظریہ ضرورت سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً : میدان جنگ میں مال پر قبضہ کا حکم بیان کرتے ہوئے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں :

"اگر جنگ کے دوران کفار مسلمانوں کے اموال پر قابض ہو جائیں تو ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ :

"ان الاستیلاء وردعلی مال مباح فینعقدسبباًللملک دفعاًلحاجۃالمکلف"(۲۸)
(یہ قبضہ مباح مال پر ہوا ہے اس لئے ملکیت کا سبب بن جائے گا۔ تاکہ مکلّف کی حاجت پوری ہو سکے۔)

یعنی اگر ملکیت تسلیم نہ کی جائے۔ تو اس کی وجہ سے بہت سی قباحتیں اور الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ لہذا ان سے بچنے کا حل یہی ہے کہ قبضہ کی بنیاد پر ملکیت بھی تبدیل ہو جائے۔

عرف اور نظریہ ضرورت

ایسے مواقع جہاں شریعت خاموش ہو اور معاشرے میں رسم ورواج کے قوانین چل رہے ہوں تو ان کو بھی ثانوی مأخذ کے طور پر شریعت میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ رواجی قوانین قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں۔ بہر حال متعدد مواقع پر نظریہ ضرورت عرف کی تائید کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے غلہ وقف کیا تو اس میں سے امیر شخص نہیں کھا سکتا۔ اگر پانی وقف کیا تو امیر شخص بھی اسے استعمال میں لا سکتا ہے۔ کیونکہ معاشرے میں عرف یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پانی کی حاجت ہر شخص کو ہوتی ہے جبکہ غلے میں یہ بات نہیں'(۲۹) مخلص۔

یہاں صاحب ھدایہ نے نظریہ ضرورت کو عرف کیلئے معاون دلیل کے طور پر پیش کیا اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ ضرورت کا مختلف فقہی مأخذ اور کلیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

نظریہ ضرورت کی ہمہ گیری

نظریہ ضرورت نہایت وسیع اور ہمہ گیر قسم کا کلیہ ہے۔ یعنی زندگی کے تمام شعبوں مثلاً عقائد' عبادات' معاملات' تعزیرات' سیاست اور حرب میں اس کی کارفرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یریداللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً"(۳۰)
(اللہ تمہارے لئے تخفیف کا ارادہ رکھتا ہے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے)

اس آیت کی تشریح میں امام رازیؒ لکھتے ہیں:

"فی التخفیف قولان۔الاول:المرادمنہ اباحۃنکاح الامۃعند الضرورۃ' وھوقول مجاھدومقاتل۔والباقون قالواھذاعام فی کل احکام الشرع وفی جمیع مایسرناہ لناوسھلہ علیناامسانامنہ الیناولم یثقل التکلیف علیناکماثقل علی بنی اسرائیل ونظیرہ قولہ تعالی"یضع عنھم

اصرھم ولاغلال التی کانت علیھم"(الاعراف)وقولہ یریداللہ بکم الیسر والایریدبکم العسر وقولہ وماجعل علیکم فی الدین من حرج"(۳۱)
(اس تخفیف میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ اس سے مراد ضرورت کے وقت باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ یہ قول مجاھد اور مقاتل کا ہے۔ باقیوں کا کہنا ہے کہ اس تخفیف کا تعلق شریعت کے تمام احکام سے ہے۔ جو اللہ تعالی نے بطور احسان ہمارے لئے آسان اور سہل کر دیئے ہمارے لئے شریعت اس طرح بھاری اور مشکل نہیں بنائی جس طرح بنی اسرائیل کیلئے بنائی تھی۔ اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے :وہ پیغمبر ان سے بوجھ اور وہ زنجیریں اتارتا ہے جو ان پر تھیں' اور اللہ تعالی کا یہ قول :وہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے۔ مشکل اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)

امام رازیؒ کی اس تفسیر سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں :

۱۔ باندی سے نکاح کی اجازت کا تعلق محض نظریہ ضرورت سے ہے۔

۲۔ تخفیف' یسر' سہولت اور عدم حرج جیسے تمام قرآنی الفاظ در حقیقت نظریہ ضرورت کی تشریح کرتے ہیں اور اسی کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔

۳۔ اکثر علماء کی تشریح کے مطابق اس تخفیف کا تعلق شریعت کے تمام احکام سے ہے۔

اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظریہ انسانی زندگی تمام شعبوں پر حاوی ہے۔

ہمہ گیریت کی تشریح کرنے کیلئے عبادات کے سلسلے کی چند مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ دیگر ابواب کے ضمن سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

سیاست اور نظریہ ضرورت :اہل سنت کے ہاں امام اعظم یا اکبر یعنی خلیفہ کا تقرر ایک لازمی امر ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے فوراً بعد پہلے اس معاملے کو حل کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا۔ یہ ضرورت صرف امام اعظم یعنی خلیفہ کے تقرر تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں :

"امام اپنے فرائض منصبی سے تن تنہا عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے ایک نائب کی ضرورت ہے جو اس کا قائم مقام ہو اور وہ نائب ہے قاضی۔ اس لئے حضور ﷺ اطراف ونواحی میں قاضی مقرر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معاذؓ کو یمن' اور حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا۔ پس قاضی کا تقرر امام کے تقرر کی منجملہ ضروریات کے ایک

ضرورت ہے۔لہذا قاضی کا تقرر فرض ہے"(۳۲)

اس کے چند صفحات بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں :

کاتب کا تقرر :"ازاں جملہ یہ ہے کہ اس قاضی کا ایک کاتب ہو' کیونکہ اسے دعاوی' شہادتوں اور اقرارات کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کیلئے انہیں حفظ کر لینا ممکن نہیں۔لہذا کتابت ناگزیر ہے۔لیکن اگر قاضی خود ہی یہ سب کچھ لکھے۔تو یہ بہت شاق ہوگا۔لہذا اسے کاتب کی ضرورت ہوگی"(۳۳)

مندرجہ بالا بحث کا یہ مطلب نہیں کہ ضرورت صرف انہی چند افراد تک محدود ہے۔ بلکہ یہ اس دور کی بات ہے جبکہ موجودہ دور کی نسبت زندگی کے اسباب ووسائل اور معاملات بہت قلیل تھے۔موجودہ وقت میں یہ حاجات وضروریات بہت بڑھ چکی ہیں۔لہذا اسی مناسبت سے زیادہ افراد کا تقرر' زیادہ عمارت اور دیگر وسائل کی ضرورت ہوگی۔

امام اعظم کے تقرر کے بارے میں نظریہ ضرورت اس قدر وسیع ہے کہ "ویصح سلطنة متغلب للضرورة"(۳۴) اگر وہ بذریعہ قوت غالب آجائے تو نظریہ ضرورت کی بناء پر اس کی حکومت صحیح ہوگی۔پاکستان میں کئی مرتبہ متغلب حکمرانوں نے اقتدار پر قبضہ کیا اور پھر سپریم کورٹ نے نظریہ ضرورت (Law of necessity) کے تحت اس کو جائز قرار دیا۔

وجہ ظاہر ہے کہ اگر متغلب کی سلطنت تسلیم نہ کی جائے تو وہ طاقت کے بل بوتے پر اپنی ہر بات منوالے گا۔خواہ اسے قتل وغارت ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔نیز "اھون البلیّتین" کے اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بڑی مصیبت کی بجائے اس چھوٹی مصیبت کو قبول کر لیا جائے۔

معاملات اور نظریہ ضرورت

معاملات کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔کیونکہ اس میں نکاح' تجارت' عقود' مشارکت' مضاربت اور وصیت جیسے تمام امور شامل ہیں۔اس جگہ نظریہ ضرورت کی اہمیت واضح کرنے کیلئے کاسانی کے حوالے سے ایک جزئیہ پیش کیا جاتا ہے۔جو کہ درحقیقت ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ متوفی شخص کی وصیت پر عمل نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ مرنے کے بعد اس کی ملکیت ختم ہوگئی۔جب مال پر ملکیت ہی ختم ہوگئی تو پھر اس مال کے متعلق وصیت کی کوئی حیثیت نہ رہی۔چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں :

"معاملات محض بندوں کی حاجات کے پیش نظر مشروع ہوتے ہیں۔لہذا جب وصیت کی حاجت در پیش ہو تو اس کے جواز کا قول کرنا واجب ہو جاتا ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انسان کی ملکیت اس کی موت پر اس قدر مال سے زائل نہیں ہوتی۔ جس قدر اسے حاجت ہوتی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس قدر مال میں اس کی ملکیت بر قرار رہتی ہے۔ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے کیا جائے۔ کیونکہ اس کی حاجت ہے تو ایسے ہی وصیت میں ہوگا"(۳۵)

مندرجہ بالا عبارت میں نظریہ ضرورت کی بنیاد پر تین جزئیات سامنے آتی ہیں :

۱۔ قرض کی ادائیگی کیلئے مال

۲۔ کفن دفن کیلئے مال

۳۔ وصیت کیلئے مال

یعنی ان تینوں امور کیلئے نظریہ ضرورت کی بنیاد پر متوفی شخص کی ملکیت اس قدر مال سے ختم نہیں ہوتی۔اس لئے وہ مال ورثا کی ملکیت کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

کاسانی کی مندرجہ بالا عبارت کا پہلا جملہ (معاملات محض بندوں کی حاجات کے پیش نظر مشروع ہوئے ہیں) ایک جامع کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس سے نظریہ ضرورت کی اہمیت اور ہمہ گیری واضح ہوتی ہے۔

حدود اور نظریہ ضرورت

حدود سے مراد وہ سزائیں ہیں جو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔شریعت اسلامیہ میں حدود و تعزیرات کا ایک باقاعدہ اور الگ باب ہوتا ہے۔حد کا اجراء نہایت حساس اور نازک مسئلہ ہوتا ہے۔کیونکہ یہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔تاہم نظریہ ضرورت کی وجہ سے کتاب الحدود میں بھی بہت سی چیزیں قبول کرلی جاتی ہیں۔ مثلاً :

"واذاشهدواعلى رجل بالزناوقالواتعمدناالنظر قبلت شهاتهم لانه يباح النظر لهم ضرورةتحمل الشهادةفاشبه الطبيب والقابلة"(۳۶)

مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کے ستر (تنگیز) کی طرف قصداً دیکھنا حرام ہے۔چونکہ حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اس لئے اس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔اب اگر گواہوں نے کسی شخص کے متعلق زنا کی گواہی دی اور یہ بھی کہا کہ ہم نے قصداً دیکھا ہے تو بھی

ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ کیونکہ شہادت دینے کی ضرورت کی وجہ سے زانی شخص کی طرف دیکھنا ان کیلئے جائز ہوگیا۔ جیساکہ ڈاکٹراور دائی کیلئے ستر کی طرف دیکھنا جائز ہوتا ہے۔ لہذا ان گواہوں کو ستر کی طرف دیکھنے کی وجہ سے فاسق قرار دینا اور پھر ان کی شہادت کو رد کرنا صحیح نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ ضرورت کی وجہ سے ان کی شہادت معتبر ٹھہری۔

نظریہ ضرورت کی ہمہ گیری اور وسعت کی بحث کے بعد یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر یہ نظریہ اس قدر اہم ہے تو چاہیے تو تھا کہ فقہاء اپنی کتب میں باقاعدہ اس نام سے عنوان قائم کرتے اور پھر اس کو اصول بنا کر اس کے ضمن میں جزئیات درج کرتے۔ جبکہ فقہی کتب میں یہ صورت حال نظر نہیں آتی۔ جواب یہ ہے متقدمین نے اس قسم کے مسائل 'استحسان اور مصالح کے ضمن میں درج کئے جبکہ متاخرین نے ان کو نظریہ ضرورت کے انداز میں ذکر کیا۔ کیونکہ دیگر اصطلاحوں کی نسبت یہ اصطلاح آسان تھی۔ نیز مخصوص گروہی نمائندگی سے پاک اور اجتماعیت کی ترجمان تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا استعمال وسیع ہونے کے علاوہ مفہوم بھی وسیع ہوگیا۔ یعنی اس میں دباؤ یا زبردستی کا سابقہ مفہوم نہ رہا بلکہ عملی ضرورت یا معاشرتی اور اقتصادی تقاضے بھی اس میں داخل ہوگئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نظریہ ضرورت کو باقاعدہ عنوان بنانے کی ایک مثال امام مالکؒ کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے۔ مزید ایک مثال ابوبکر کاسانی کے حوالے سے پیش کی جارہی ہے۔ جنہوں نے بدائع الصنائع میں "رجوع از روئے ضرورت" کا عنوان قائم کیا اور پھر ھدیہ واپس ہونے کی جزئیات درج کیں۔

> "جہاں تک ضرورت کے طریقے سے ثابت ہونے والے رجوع کا تعلق ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ عین موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کے ساتھ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے بغیر موصی بہ کو سپرد کرنا ممکن نہ ہو۔ مثلاً وہ ستو کی وصیت کرے اور پھر اس میں گھی ملادے۔ کیونکہ موصی بہ کے ساتھ ایسی چیز مل گئی ہے جو موصی بہ نہیں اور اس طرح مل گئی ہے کہ اس کے بغیر موصی بہ کو سپرد کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کو الگ الگ کرنا محال ہے۔ لہذا رجوع از روئے ضرورت ثابت ہوگیا" (۳۷)

یہ ایسی مثال ہے جس میں موصی (وصیت کرنے والا) کے اپنے تصرف سے یہ تبدیلی پیدا ہوئی۔ پھر کاسانی نے ایسے تغیر کی متعدد مثالیں دیں جن میں وصیت کردہ چیز کی حقیقت اور نام ہی تبدیل ہوگیا۔ مثلاً انڈے کی وصیت کی۔ پھر وہ انڈا چوزہ بن گیا۔ تو بھی رجوع از روئے

ضرورت ثابت ہو گیا۔(۳۸)

مجموعی طور پر مؤلف نے اس قسم کی دس مثالیں دیں جن سے نظریہ ضرورت کی بناء پر تحائف سے رجوع کا حکم ثابت ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نظریہ ضرورت کو عنوان بنانے کا رواج گو بہت قلیل تھا۔

قدر ضرورت اور اس کی تعیین

نظریہ ضرورت کے سلسلے میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ ضرورت کی پیمائش کیسے ہو اور اس کی مقدار کا تعین کس طرح ہو کہ اب ممنوعہ حکم بدلنے کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے یا ابھی وہ گنجائش پیدا نہیں ہوئی؟اس معاملے میں ایک اصول موجود ہے۔"ماابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا"(۳۹)یعنی ضرورت کا اعتبار ضرورت کی حد تک ہوتا ہے۔جونہی ضرورت کی مقدار پوری ہو گئی۔ تبدیل شدہ عارضی حکم ختم ہو گیا۔اور وہ چیز اپنے اصل حکم کی طرف پلٹ گئی۔ مگر پھر بھی بہت سے مقامات پر ابہام قائم رہتا ہے۔کیونکہ دوٹوک الفاظ میں اس کی حدود متعین نہیں کر سکتے۔البتہ ایسے چند مزید کلیات ہیں جن کے ذریعے ایک عالم اور فقیہ اس مشکل سے کافی حد تک عہدہ برا ہو سکتا ہے۔وہ کلیات یہ ہیں :(۳۹)

۱۔ شدید ضرر کا ازالہ نسبتاً خفیف سے کیا جائے گا۔

۲۔ ضرر عام کے دفع کیلئے ضرر خاص کو برداشت کر لیا جائے گا۔

۳۔ اضطرار کسی دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرتا۔اسی بناء پر حکم ہے کہ اگر کوئی بھوک سے مضطر ہو کر کسی اور کا کھانا کھالے تو اسے کھانے کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔

کیفیت

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مختلف وجوہات سے ضرورت کا معیار بھی بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً زمان و مکان کی تبدیلی 'معاشرے کا ارتقا' اور مختلف افراد کی قوت و ضعف یعنی قوت برداشت ' سینکڑوں سال قبل انسان کی ضروریات محدود تھیں۔ آج وہ ضروریات وسیع بھی ہو گئیں اور بدل بھی گئیں۔ پرانے وقتوں میں قول کی حیثیت کافی ہوتی تھی مگر آج تحریر کی حیثیت بڑھ گئی۔ مختلف ممالک میں امیر و غریب کے معیار میں فرق ہے۔امیر و غریب کے فرق کو قرآن نے بھی ملحوظ رکھا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :"علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ"(۴۰)

زمان کی تبدیلی سے حاکم کی تبدیلی کی مثال ایک فتوی سے دی جاتی ہے کہ تدریس قرآن پر معاوضہ لینادرست ہے یا نہیں؟جواب ''تعلیم قرآن'' پر اجرت لینامتاخرین نے جائزرکھاہے۔بوجوہ ضرورت کے(۴۱)

ضرورت یہ ہے کہ اگراس مدرس کو معاوضہ نہ دیا جائے تووہ اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے کوئی اور پیشہ اختیار کرے گا۔جس کے نتیجہ میں قرآن کی تدریس ختم ہوجائے گی۔پرانے وقتوں میں ایسے اساتذہ کوسرکاری وظائف ملتے تھے۔اس لئے متقدمین نے اجرت کو ناجائز قرار دیا تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ ضرورت اوراس کی مقدار کی تعیین کون کرے؟ہر شخص کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتاکہ وہ ضرورت کابہانہ بناکر شرعی احکام میں حلت وحرمت کے فیصلے کرنے لگے۔اس طرح تواباحیت کاراستہ کھل جائے گااوراس فتنے سے شریعت مذاق بن کررہ جائے گی۔ جس طرح ایک ماہر فن ہی مشینری کے نقص کو سمجھ سکتاہے اور تجربہ کارڈاکٹرہی مرض کی صحیح تشخیص کرسکتاہے۔اسی طرح یہ اختیار بھی صرف ایسے فقیہ کودیا جاسکتاہے جوشریعت کاماہر اوراس کامکمل مزاج شناس ہو۔

پھریہ فقہاء بھی انسان ہیں اور مختلف مزاج کے مالک ہیں۔اس لئے قدرِضرورت کی تعیین میں ان کے درمیان بھی اختلافات پیداہوئے کہ بعض نے ضرورت کو محسوس کیا،بعض نے انکارکیااور بعض نے اسے محدود رکھا۔تفصیل کیلئے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ضرورت واضطرار کی تعریف میں یہ شرط تھی کہ مردار کھانے کی اجازت صرف اس وقت ہوگی جبکہ جان کی ہلاکت یاکسی عضو کے ضیاع کاخطرہ ہو۔یعنی اکراہ تام ہو۔عقائد کے باب میں مزید شدت ہے۔مثلاً:قال المحققون من العلماء اذاتلفظ المکرہ بالکفرفلا یجوز لہ ان یجریہ علی لسانہ۔۔۔(۴۲)

محقق علماء نے کہاجب اکراہ کرنے والے شخص نے کفریہ کلمہ کہا،تومجبور شخص کووہ کلمہ اپنی زبان پرجاری کرناجائز نہیں۔ہاں وہ ''تعریض'' کرے کیونکہ تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔مثلاًاسے کہاگیا۔نبی کاانکارکر۔تووہ لفظ نبی مشدد کرکے اداکرے۔جس کامعنی ہے بلند جگہ یانبی سے کوئی جھوٹانبی مرادلے لے۔مثلاً مسیلمہ،طلحہ وغیرہ۔

یہ تومالکی مسلک ہے۔حنفی انداز بھی یہی ہے۔مثلاًجصاص لکھتے ہیں:اگراس شخص کو

مجبور کیا گیا کہ وہ نعوذ باللہ حضور ﷺ کو گالی دے' یا صلیب کو سجدہ کرے۔ تو وہ کسی اور کی نیت کر لے۔ یعنی "توریہ" کر لے۔ اگر اسے توریہ کرنے کی مہلت نہ ملی اور دل میں غیر کا خیال بھی نہ آیا اور جس بات پر اسے مجبور کیا گیا تھا وہ کہہ ڈالی یا وہ کام کر لیا تو وہ شخص کافر نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا دل مطمئن ہو۔ (۴۳)

توریہ اور تعریض کا مطلب ہے حقیقت کو چھپانا' مبہم اور ذو معنی کلام کرنا کہ ظاہری مفہوم کچھ ہو اور باطنی مراد کچھ اور ہو۔ مثلاً سفر ہجرت کے دوران ایک کافر شخص نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ آپؓ نے رازداری کی خاطر جواب دیا: یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ وہ شخص سمجھا کہ سفری راستہ کا کوئی راہبر ہوگا' جبکہ حضرت ابو بکرؓ کی مراد دینی راستہ کی رہنمائی تھی۔ اس طرح توریہ کر کے حضرت ابو بکر صدیقؓ جھوٹ اور خطرے دونوں سے بچ گئے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ توریہ و تعریض صرف ذہین شخص ہی کر سکتا ہے نہ کہ عام آدمی۔ اس لئے عام آدمی کو اس کی چھوٹ بھی حاصل ہے۔ جیسا کہ حوالہ گزر چکا ہے۔

چونکہ یہ عقائد کا معاملہ ہے اس لئے معاملے میں نسبتاً تنگی ہے۔ اگر یہی اکراہ و اضطرار مال کے متعلق ہو تو امام رازیؒ نے اس کے حکم کی بحث تقیہ کے ضمن میں اٹھائی ہے۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں:

"جان کی حفاظت کی خاطر تقیہ کرنا تو جائز ہے۔ کیا مال کی حفاظت کی خاطر بھی جائز ہے۔ احتمال یہ ہے کہ جواز کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی طرح ہے۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے اور اس لئے بھی کہ مال کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر پانی مہنگے داموں فروخت ہو تو وضو کا فرض ساقط ہو جاتا ہے اور تیمّم سے نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔ تاکہ اس نقصان سے بچ سکے۔ تو اس جگہ (مال کی حفاظت کیلئے تقیہ کرنا) کیوں جائز نہ ہوگا۔ (۴۴)

مطلب یہ کہ امام رازیؒ نے قدرِ ضرورت کا مفہوم وسیع کرتے ہوئے مال کی مدافعت میں تقیہ کرنے کی اجازت دے دی۔ غالباً حنفی فقہا اس کی اجازت نہیں دیتے۔

مالکیہ اور احناف: بھوک کی وجہ سے اضطراری کیفیت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ مضطر شخص اس مردار سے صرف جان بچانے کی مقدار ہی کھائے۔ جبکہ امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ وہ سیر ہو کر کھالے۔ پھر بقیہ حصہ کو زادِ راہ بھی بنالے۔ اگر اس کی ضرورت نہ پڑے تو اسے

پھینک دے۔(۴۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرورت کی مقدار میں حنیفہ کے ہاں تنگی ہے۔ جبکہ مالکیہ کے ہاں کافی وسعت ہے۔ مالکیہ کے مؤقف کی تائید حضرت ابو عبیدہؓ کے ایک سفر سے ہوتی ہے۔ جبکہ حضور ﷺ نے آپ کو ایک جنگی مہم پر سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ دوران سفر زادِ راہ ختم ہو گیا۔ وہ ساحلی علاقہ تھا۔ سمندری لہر نے عنبر نامی ایک مردہ مچھلی ساحل پر پھینک دی تو ابو عبیدہؓ نے فرمایا:

"فی سبیل اللہ وقداضطررتم فکلوا" (تم اللہ کی راہ میں نکلے ہو اور اس وقت اضطراری حالت میں ہو۔ لہذا اسے کھالو) ان لوگوں نے ایک ماہ تک اسے کھایا۔ یہاں تک کہ موٹے ہو گئے۔ ان کی تعداد تین صد تھی۔ واپس آکر حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے جائز رکھا" (۴۶)

اس حدیث سے قلیل مقدار کی بجائے بافراغت کھانے کا ثبوت میسر آتا ہے اور مالکی مذہب کی دلیل تائید نکلتی ہے کیونکہ قلیل مقدار میں کھانے سے وہ موٹے نہیں ہو سکتے تھے۔

شوافع اور احناف: جن جانوروں میں بہنے والا خون نہ ہو۔ اگر وہ پانی میں مر جائیں تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ جیسے کھٹمل مکھی بھڑ بچھو غیرہ۔ امام شافعیؒ کے ہاں یہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی جاندار کی حرمت اگر کرامت کی بناء پر نہ ہو تو یہ اس کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ شہد کی مکھی اور پھلوں کے کیڑوں کے متعلق یہ حکم نہیں۔ کیونکہ یہاں ضرورت ہے۔ (۴۷)

معلوم ہوا کہ قدرِ ضرورت کے بارے میں احناف کی نسبت امام شافعیؒ کے ہاں زیادہ تنگی اور سختی ہے یعنی وہ نظریہ ضرورت کو احناف کی نسبت بھی محدود رکھتے ہیں۔

اہل سنت اور فقہ جعفری: اہل سنت کے ہاں تقیہ کے متعلق حکم ہے:

"انماھورخصۃ من اللہ تعالی ولیس بواجب بل ترک التقیۃ افضل۔۔۔" (۴۸)

یعنی تقیہ اللہ تعالی کی طرف سے رخصت ہے۔ اسے اختیار کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کو ترک کرنا افضل ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب کے قول کے مطابق ہر وہ کام جس میں دین کی شوکت ہو، اسے کر گزرنا اور قتل ہو جانا، رخصت اختیار کرنے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔

دوسری طرف فقہ جعفری میں تقیہ باعثِ فضیلت ہے۔ ابو بصیر کی روایت ہے:

"التقیۃ من دین اللہ۔۔" (یعنی تقیہ اللہ کے دین کا حصہ ہے)

پھر چند سطور بعد یہ الفاظ ہیں کہ تقیہ اللہ کو پسند ہے۔ (۴۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ عقائد کے حوالے سے دیکھیں تو نظریہ ضرورت کی بحث میں دونوں فریقوں کے درمیان واضح اختلاف ہے۔ یہی صورت حال فقہی احکام کے اندر بھی ہے۔ مثلاً جعفری فقہ کا مسئلہ ہے :

"متعہ کے جواز بلکہ سنت ہونے کے متعلق اہل بیت اطہار علیہم السلام سے احادیث حد تواتر منقول ہیں۔۔۔ پھر زمانِ حاضر کی ضروریات کا جائزہ لیجئے۔ جبکہ جذبات شہوانیہ کے مظاہرے ناموس انسانیت کو داغ دار کر رہے ہیں اور دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ زیادہ شادیاں کرنا بعض ملکوں میں منع ہے۔ یا پھر دیگر رکاوٹیں ہیں۔ ان ضروریات کے پیش نظر اگر متعہ جائز ہوتا تو کیوں یہ بدکاری عام ہوتی (۵۰) ملخص بلفظہ۔

معلوم ہوا کہ جعفری فقہ میں متعہ نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ زناکاری کا توڑ اور اس کا حل ہے۔ اس طرح متعہ کی ترغیب اور استحباب کا پہلو نکلتا ہے۔ دوسری طرف اہل سنت کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابو بکر جصاصؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں :

"حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ آپؓ متعہ کو مردار، خنزیر کے گوشت اور خون کے درجے میں رکھتے ہیں اور یہ متعہ اضطراری حالت میں جائز ہے۔ (مگر ان کی طرف منسوب) یہ قول محال ہے۔ اس لئے کہ جو ضرورت محرمات کو حلال بناتی ہے وہ یہاں موجود نہیں۔ کیونکہ مردار اور خون کو جائز قرار دینے والی ضرورت وہ ہے جس میں جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ جماع نہ کرنے کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہوتا"۔ (۵۱)

معلوم ہوا کہ متعہ کے جواز کی کوئی گنجائش یا استثنائی صورت نہیں۔ کیونکہ نظریہ ضرورت کی تعریف اور اس کی شرط اس پر منطبق نہیں ہوتی۔ اس مجموعی بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقائد اور احکام کے دونوں شعبوں میں نظریہ ضرورت کا میدان جعفری فقہ میں وسیع ہے جبکہ اہل سنت کے ہاں سختی و تنگی ہے۔ تاہم دونوں فریق نظریہ ضرورت کو واضح طور پر اختیار کرتے ہیں۔

نظریہ ضرورت کا انتفاء : گذشتہ تمام بحث کا تعلق اس صورت سے تھا جبکہ نظریہ ضرورت کو اختیار کر کے کسی شرعی حکم کی حرمت کو حلت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اب ایسی چند مثالیں جہاں یہ نظریہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے شریعت کا اصل حکم بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ حدیث سے اس کی مثال حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے :

"نهی النبی عن بیع المضطر"(۵۳) حضورﷺ نے مضطر شخص کی فروخت سے منع کیا۔
اس حدیث کی تشریح دو انداز سے کی جاتی ہے۔ایک یہ کہ کسی شخص کو مجبور (اکراہ) کیا گیا کہ وہ اپنی چیز فروخت کردے' تو اس کی یہ بیع درست نہیں ہوگی۔دوسری صورت یہ کہ غربت وافلاس کی وجہ سے وہ شخص اپنی اشیاء بیچنے پر مجبور ہو جائے' تو اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اور سستے داموں اشیاء حاصل کرنا درست نہیں۔بلکہ ایسی حالت میں عطیہ یا قرض سے اس کی مدد کی جائے۔

اس حدیث کی بنیاد پر ہم بالصراحت کہہ سکتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں گو نظریہ ضرورت ہے۔ مگر محدود انداز میں ہے۔اس لئے اس کا اندھا دھند استعمال کرنا اور اس کی بنیاد پر ممنوعہ احکام کا ارتکاب کرنا درست نہیں۔یہی وجہ تھی کہ فقہاء نے شریعت کی حقیقی روح اور مزاج کو سمجھتے ہوئے متعدد مقامات پر نظریہ ضرورت کو تسلیم نہ کیا اور شرعی حکم کو اپنی اصلیت پر باقی رکھا۔بلکہ بعض مقامات پر اس حلت وحرمت کی مکمل حدبندی کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً پہلے حوالہ گزر چکا ہے کہ اسلامی لشکر اگر دارالحرب چلا جائے تو غلہ اور ضرورت کی دیگر چیزیں وہیں سے حاصل کرے۔ کیونکہ یہ ان کی ضرورت اور مجبوری ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اسلامی سپاہ وہاں سے اس قسم کی چیزیں حاصل کر کے نہ تو فروخت کرے اور نہ ہی مال دار بننے کی کوشش کرے۔(۵۴) کیونکہ یہ عمل قدر ضرورت سے زائد ہے۔لہذا اس کی اجازت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ :

۱۔ نظریہ ضرورت اسلامی شریعت کا حصہ' قرآن' حدیث اور فقہ سے ثابت ہے۔ نیز تمام فقہی مذاہب میں مسلم ہے۔

۲۔ یہ نظریہ قدرِ ضرورت کے ساتھ مشروط ہے۔یعنی معاملہ جتنا اہم ہوگا حلت پیدا کرنے کیلئے اتنی ہی شدید ضرورت درکار ہوگی۔

۳۔ متأخرین نے دیگر مصادر کی نسبت نظریہ ضروت کو مفہوم اور استعمال دونوں حیثیتوں سے وسعت دی۔

۴۔ اس کے استعمال وتشریح کا حق صرف علماء وفقہاء کو حاصل ہے۔ پھر فقہاء کے مابین' دیگر اجتہادی مسائل میں جس طرح اختلافات ہیں' اسی طرح نظریہ ضرورت میں بھی قدرے اختلاف ہے۔

۵۔ اس نظریہ کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع میں نسبتاً زیادہ اختلاف ہے۔

مراجع و مصادر

۱۔ سورۃ المائدہ : ۳

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ۲۸

۳۔ ابن نجیم، سراج الدین عمر بن علی بن احمد، الاشباہ والنظائر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱، ۳۱

۴۔ سورۃ الانعام : ۱۲۰

۵۔ رازی، ابو عبداللہ، محمد بن عمر، فخر الدین، تفسیر کبیر، زیر آیت بالا

۶۔ سورۃ نحل : ۱۰۶

۷۔ الاشباہ والنظائر، ۱، ۳۱

۸۔ ابن منظور، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب، زیر مادہ ض ر ر

۹۔ تفسیر کبیر، زیر آیت سورۃ بقرہ : ۱۷۳

۱۰۔ سورۃ احزاب : ۵

۱۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن، زیر آیت بالا

۱۳۔ جصاص، ابو بکر، احمد بن علی، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، زیر آیت سورۃ نحل : ۱۰۶

۱۴۔ سورۃ آل عمران : ۲۸

۱۵۔ احکام القرآن للجصاص، ۳ : ۲۴۹

۱۶۔ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲ : ۱۵۳

۱۷۔ احکام القرآن للجصاص، ۱ : ۱۵۷

۱۸۔ علی بن ابی بکر، مرغینانی، ھدایہ، کتاب الطہارۃ، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء

۱۹۔ الاشباہ والنظائر، ۱ : ۳۱

۲۰۔ ھدایہ، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتھا

۲۱۔ سورۃ حج : ۷۸

۲۲۔ ھدایہ، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین

۲۳۔ مالک، امام مالک، مؤطا، کتاب الذبائح، باب مایجوز من الزکوۃ علی حال الضرورۃ

۲۴۔ امام مالک، المؤطا، کتاب الحج، باب مایجوز من الھدی

۲۵۔ ھدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات

۲۶۔ ھدایہ، کتاب الطہارۃ، باب نواقص الوضوء

۲۷۔ ایضاً کتاب الشرکۃ، شرکۃ مفاوضہ

۲۸۔ ہدایہ، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتھا
۲۹۔ ایضاً، کتاب الوقف
۳۰۔ سورۃ النساء: ۲۸
۳۱۔ تفسیر کبیر، زیر آیت بالا
۳۲۔ کاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاؤالدین، بدائع الصنائع، دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ج ۷ ص ۲۶
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ شامی، شیخ محمد امین بن عمر عابدین، ردالمحتار علی درالمختار، کتاب السیر، باب الامامۃ
۳۵۔ بدائع الصنائع، (اردو ترجمہ) ۷: ۷۵۹، قانون وصیت
۳۶۔ ہدایہ، کتاب الحدود، باب الشہادۃ والرجوع عنھا
۳۷۔ بدائع الصنائع، ۷: ۸۶۷، قانون وصیت
۳۸۔ ایضاً
۳۹۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ، محکمہ اوقاف علماء اکیڈمی، لاہور فقہی قواعد صفحہ ۳۱
۴۰۔ سورۃ البقرہ: ۱۷۳
۴۱۔ عزیز الرحمٰن، مولانا، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت، کراچی، کتاب الدرجات، ۱: ۶۶۲
۴۲۔ الجامع لاحکام القرآن، للقرطبی، زیر آیت سورۃ نحل: ۱۰۶
۴۳۔ احکام القرآن للجصاص، ۲: ۲۴۹
۴۴۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ۲۸ سورۃ آل عمران
۴۵۔ احکام القرآن للجصاص، ۱: ۱۵۸
۴۶۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الصید
۴۷۔ ہدایہ، کتاب الطہارۃ، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء
۴۸۔ احکام القرآن للجصاص، ۲: ۱۳
۴۹۔ جاڑا، علامہ حسین بخش، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، مکتبہ انوار النجف دریاخاں، بھکر، زیر آیت ۷۰ سورۃ یوسف
۵۰۔ ایضاً ایضاً زیر آیت ۲۴ سورۃ النساء
۵۱۔ احکام القرآن للجصاص، زیر آیت ۲۴، سورۃ النساء
۵۲۔ الاشباہ والنظائر، ۱: ۳۱
۵۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع
۵۴۔ ہدایہ، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتھا